۲۰۱

اقبال اور ہمارا معاشرہ

پروفیسر جیلانی کامران

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

میں ان حالات کا ذکر نہیں کروں گا جن سے ہمارا معاشرہ گزر رہا ہے۔ کیونکہ ان سے کم و بیش ہر شخص آشنا ہے۔ تاہم یہ سوال ضرور زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے کہ کیا جس معاشرے میں ہم آباد ہیں اور زندگی بسر کرتے ہیں اس کا کوئی نصب العین بھی ہے؟ اور کیا کسی معاشرے کو نصب العین کے حوالے سے زیرِ بحث لایا بھی جا سکتا ہے کہ نہیں؟ یہ سوال اس لئے بھی غور طلب ہے کہ معاشرے پر باہر سے کسی نصب العین کی شرط عائد کرنا ایک دشوار امر ہے اور معاشرے ایسی کسی شرط کو بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں۔ لیکن ان باتوں سے یہ صادر نہیں ہوتا کہ معاشرے کا رخ دریافت نہیں کیا جا سکتا اور اس سوال کا جواب دینا بھی غالباً مشکل نہیں ہے کہ معاشرہ کس طرف جا رہا ہے۔ اس کی ترجیحات کیا ہیں۔ اور معاشرے کے اندر بسنے والا 'انسان' کیا سوچتا ہے اور اس کی نظر میں آنے والے زمانے کی کیا قدر و قیمت ہے؟ تاہم معاشرے کے بارے میں نصب العین کا تذکرہ کچھ اس لئے بھی اہم نظر آتا ہے کہ معاشرہ ہی کسی ملک کے انسان کی شناخت ممکن بناتا ہے اور اصل میں معاشرتی شخص ہی ایسا فرد ہے جس کی پہچان سے بنیادی سچائیاں اخذ کی جا سکتی ہیں۔

گزشتہ پچیس برسوں کے دوران ہمارا معاشرہ دو استعاروں سے آشنا ہوا ہے۔ اور ان استعاروں کے حوالے سے دو مختلف دنیائیں آشکار ہوئی ہیں۔ ایک استعارہ سن ہجری کی پندرہویں صدی کا ہے اور دوسرا سن عیسوی کی اکیسویں صدی کا ہے۔ یہ دونوں استعارے دو دنیاؤں کو آشکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کا زمانہ ایک اور صرف ایک ہے۔ اس لحاظ سے یہ استعارے مستقبل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ صدیاں پہلے بھی بدلتی رہی ہیں۔ اس لئے ہجری اور عیسوی سن کے حوالے سے زمانے کے بدلنے کا جواز ہمارے عہد میں کس لئے نمایاں ہوا ہے؟ اور چونکہ قبل ازیں صدیوں کے بارے میں سوچنے کی روایت نہیں رہی تھی اس لئے صدیوں کے حوالے سے سوچنے کے انداز نے (کم از کم میڈیا کے پروگراموں میں) تمسخر کے رویّے کو نمایاں کیا ہے۔ گزشتہ دو صدیاں (تیرہویں اور چودھویں ہجری) مسلمانوں کے آشوب کا زمانہ تھیں۔ اور پنجابی کا ایک شعر دونوں صدیوں کے زمانے میں

مسلمان گھرانوں میں سنائی دیتا تھا۔

"چودھویں صدی تے برا زمانہ
یا رب ! رکھیں توں خصمانہ !"
(چودھویں صدی برا زمانی بنی ہے' اے خدا ! تو ہی ہماری آبرو رکھ !)

اگر ہم احیاء کی تحریکوں کو اپنے دلائل میں شامل نہ کریں تو آشوب کی ان گزشتہ صدیوں کے دوران جس معاشرتی انسان کی سائیکولوجی کا علم ہوتا ہے وہ حالات کے شدید بہاؤ میں بہتے ہوئے کسی شخص کی نفسیاتی کیفیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ معاشرتی انسان صرف بہاؤ کو جانتا ہے تقدیر پرست ہے' اور اپنے بارے میں تنکوں اور ذروں کی تشبیہ اختیار کرنے کا عادی ہے۔ وجودی صورتحال میں حالات قدآور دکھائی دیتے ہیں اور وہ شخص کم سے کم تر ہوتا نظر آتا ہے' اس ضمن میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں جب کمپنی کے خلاف مدافعت کا سوال پیدا ہوا تو کہا گیا کہ ایسی مدافعت کا زمانہ سو برس قبل کا دور تھا۔ سو برس کے بعد ایسا سوچنا بے معنی ہے۔ تاہم جن دو گزشتہ صدیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے برصغیر کے مسلم معاشرے کی اندرونی کمزوریوں کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے اور ایسے معاشرتی انسان پر وہ ابتلاء نازل ہوئی تھی جسے ہم سن ستاون کے حوالے سے جانتے ہیں اور جس صورتحال کو مسدس میں مولانا حالی نے "اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے !" کی شکل میں بیان کیا تھا۔ اس کیفیت میں آنے والے زمانے کے بارے میں عام آدمی کی سوچ صرف منفی ہو سکتی تھی۔ ایسی منفی سوچ نے ہمارے اپنے دور کے ذہنی رویوں کو بھی متاثر کر رکھا ہے۔

— ۲ —

آزادی کی تحریک اور برصغیر کی مسلم قیادت اور اقبال کے فکر و فلسفے کے بارے میں جو بھی رائے رکھی جائے وہ اپنی جگہ بہرحال درست ہے' مگر ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ یہ سارے طریق کار معاشرے کے زوال کو روکنے اور معاشرتی انسان کو ناپید ہونے سے بچانے کے لئے معرض وجود میں لائے گئے تھے۔ ان کے پیش نظر مسلم معاشرے کا تحفظ تھا۔ ہماری تاریخ کے وہ برس جو ۱۹۴۷ء تک پہنچ کر ختم ہوتے ہیں' ہماری اجتماعی اور تہذیبی زندگی کے عظیم الشان اور بیش قیمت ایام تھے کیونکہ اٹھارہ سو ستاون کے بعد اور نوے برسوں کے دوران وہ نمایاں کارنامے معرض وجود میں آئے جو گزشتہ دو صدیوں کے آشوب کا رخ بدلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد جو معاشرہ ظاہر ہوا تھا اس کی سائیکولوجی کو

بدلنے کے لئے جو طریق کار بروئے کار لایا گیا تھا اس میں تعمیر خودی کا نظریہ بنیادی تھا جو بیک وقت تاریخی، تہذیبی، فلسفیانہ اور تعلیمی نظریہ بھی تھا اور ایک ایسے انسان کی تشکیل کا نظریہ بھی تھا جو ان اوصاف کی پیروی کرتا تھا جو اسلامی کردار کا لازمی جزو ہیں۔ یہ انسان اخلاقی نوعیت کا پیکر تھا۔ بدلتی ہوئی دنیا کا شعور اس انسان کی تربیت کا ضروری حصہ تھا۔ اس انسان کے ذمے عہد حاضر میں اپنے مسلمان ہونے کی تصدیق فراہم کرنا تھا۔ منتخب اداروں کے ذریعے اس انسان کو اجتہاد کی ذمہ داری بھی سونپی گئی اور ایک صحت مند معاشرے کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا۔ قیام پاکستان کو اس انسان اور ایسے معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک لازمی اقدام گردانا گیا تھا۔ مسلم معاشرے کے انسان کی کردار سازی اور اس معاشرے کا متحرک تصور ایسے بنیادی اصول تھے جن سے پاکستانی معاشرے کی پہچان کو ممکن بنانا مطلوب تھا۔

اقبال کے فلسفے کا مخاطب، بالعموم تعلیم یافتہ مسلمان تھا اور یہ "مسلمان" عہد حاضر کے علوم کا طالب علم تھا۔ اقبال کی تعلیمات میں دینی مدرسے کے طلبہ کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ غالباً یہ امر اس لئے فکر اقبال کا حصہ نہیں بنا تھا کہ دینی مدرسے فلسفہ تاریخ سے آشنا نہیں تھے اور بدلتے ہوئے زمانے میں ان کے رویئے غیر متحرک تھے۔ اقبال عہد حاضر کے علوم سے مستفید ہونے والے مسلمان کو اسلام کے اصولوں سے فیض یاب کرنے اور اسے اجتہاد کے لئے تیار کرنے کا خواہش مند تھے۔ اس اعتبار سے زوال زدہ معاشرے کی فلاح کے لئے اقبال حصول علم کو ضروری گردانتے ہیں اور جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے وہ تعلیم یافتہ مسلمان سے تخلیقی صلاحیتوں کی کار آفرینی کی توقع کرتے تھے۔ عہد حاضر میں تخلیقی صلاحیتوں کی کار آفرینی کے ساتھ مسلمانوں کی فلاح وابستہ ہے۔ پاکستانی معاشرے کے نصب العین کی ایک واضح جہت یہی ہے۔

— ۳ —

اقبال انسانی فطرت کو جبلتوں کی یلغار کے حوالے نہیں کرتا۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو وہ نطشے کے سپرمین کو رد نہ کرتا، جہاں طاقت محض کمزور انسانوں پر حاوی ہونے کا وسیلہ ہے اور نہ دوشیزہ مریخ کے کردار کی مذمت کرتا جس میں وہ گھرانے کو نظرانداز کرتے ہوئے محض اپنے وجود کے بقا کی تلقین کرتا ہے۔ جبلتوں کی یلغار کو اقبال نے جاوید نامہ میں باطل دیوتاؤں کی دوبارہ آمد کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

— ۴ —

اقبال کے فلسفے اور شاعری میں یورپ پر کڑی تنقید دکھائی دیتی ہے، اور یورپ کو دنیا پرستی کی علامت کے طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔ افرنگیں کے کردار کے ذریعے جاوید نامہ میں یورپ کی

تمثیل دی گئی ہے' جو زرپرستی اور زراندوزی کی خاطر اپنے ایمان کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ افرنگیں کے ساتھ ساتھ جاوید نامہ میں ایک مرد بھی دکھائی دیتا ہے

"جو کمر تک دریا کے سیماب وش پانی میں غرق ہے۔ آہ و زاری میں 'نالہ و فغاں میں محو ہے' پانی سے بے نصیب اور پیاسا ہے۔"

"جس نے روح القدس کی پہچان نہ کی اور جسم کی خریداری کی اور عوض میں روح بیچ دی۔"

(جاوید نامہ : طاسین مسیح)

یورپ کی اس تصویر کے ذریعے اقبال' اپنے عہد کے مسلم معاشرے کو مخاطب کرتا ہے اور آنے والے زمانوں میں مسلم معاشرے کو خبردار کرتا ہے کہ وہ اس راہ کو اختیار نہ کرے جو دنیا پرستی کا راستہ ہے اور ان رویوں کو اپنانے سے احتراز کرے جو مذہب کے سطحی مظاہر ہی کو صداقت کل گردانتے ہیں۔ اقبال کی تنبیہہ اس لئے بھی محل نظر ہے کہ یورپ نے اپنی تہذیب کو عالمی تہذیب بتاتے ہوئے' کرہ ارض کے معاشروں کو بھی اس ادراک میں شامل کیا ہے کہ ترقی پذیر معاشروں کی منزل وہی معاشرہ ہے جو عہد حاضر میں مغربی تہذیب نے تخلیق کیا ہے۔

پاکستانی معاشرے کی نشوونما کے حوالے سے یورپ کی اس تصویر نے جو اقبال نے دی ہے' کئی ایک غلط فہمیاں پیدا کی ہیں جن سے رجعت پسندی کے رویئے نمایاں ہوئے ہیں جو کشود خودی کی بجائے انتشار ذات کا سبب بنے ہیں۔ یورپ کی ایسی تصویر دکھانے سے اقبال کا مقصد یہی تھا (اور ہے) کہ مسلم معاشرہ اپنی نشوونما کے دوران ان مصائب سے بچ سکے جو یورپی معاشرے کو اپنے ارتقائی عمل میں پیش آئے ہیں۔

جاوید نامہ میں مجلس خدایان اقوام قدیم کا تذکرہ پاکستانی معاشرے کی نشوونما اور اس کے تحفظ کے لئے کئی اعتبار سے اہم ہے: اس مجلس میں قدیم عراق عرب کا دیوتا ہبل کہتا ہے

"وحدت کا اثر ٹوٹ چکا ہے اور وہ انسان جو آزادی سے روشناس ہوا ہے اب دنیا کی گرفت میں ہے اور وطن وطن کی تکرار میں مصروف ہے۔"

اقبال کی شاعری اور افکار میں فرد اور ملت کی اصطلاح' پاکستانی معاشرے کے حوالے سے قابل غور ہے۔ اقبال کی نظر میں فرد محض ایک اکائی ہے اور اس کی اپنی کوئی بھی حیثیت نہیں

ہے جس طرح دریا کے باہر موج کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ فرد ایک چھوٹی اکائی ہے جس کا ایک بڑی اور تاریخ ساز اکائی میں شامل ہونا ضروری ہے تاکہ وہ زندہ اور قائم رہ سکے۔ پاکستانی معاشرے نے اپنی نشوونما کے دوران جہاں دنیا پرستی اور مظاہر پرستی کی ترغیبات سے بچنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی، وہیں اس معاشرے نے فرد کو ایک تشویش ناک الجھن میں مبتلا کر دیا ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی اکائیوں کو اپنی پہچان سمجھنے کا عادی ہوا ہے۔ اقبال فرد اور ملت کے ربط کو اہم قرار دیتا ہے جسے عہد حاضر کی زبان میں قومی اتحاد کہا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جدید دنیا میں قوم ایک بڑی اکائی ہے جس کے بغیر افراد نہ تو اپنا وقار حاصل کر سکتے ہیں اور نہ بین الاقوامی معاملات میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں افراد کی قومی حیثیت کا استحکام اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر افراد کی تکمیل ذات ممکن نہیں جو اقبال کی نظر میں کشور خودی کے لئے لازمی ہے۔ برادری، علاقہ اور جنم بھومی کی اپنے اپنے طور پر اہمیت ضرور ہے مگر ان کو پرانے دیوتاؤں کی سی حیثیت دینا اس اتحاد کی نفی کے برابر ہے جو ایک بڑی اکائی کی صورت میں خودی کی تعمیر و تشکیل کے لئے لازمی ہے۔

— ۵ —

اس امر سے انکار کرنا مشکل ہے کہ افراد کے بغیر معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے اقبال کے افکار میں فرد کا مقام مرکزی ہے اور خودی کا نظریہ بھی فرد ہی کے حوالے سے مرتب ہوا ہے۔ تاہم اقبال نے خودی کے شعور اور تربیت کے لئے جو انداز فکر تجویز کیا ہے وہ از خود پرورش نہیں پا سکتا جب تک فرد اس ماحول کا جزو نہ ہو جسے تعلیم یافتہ ماحول کا نام دیا جا سکتا ہے۔ علم و آگہی سے بے بہرہ ماحول فرد کو خودی کا ادراک بخشنے سے قاصر دکھائی دیتا ہے اور جہاں جمہوریت کے ذریعے حکمرانی کا منصب حاصل ہوتا ہو، وہاں ووٹ کا حق ایک ناخواندہ آبادی کو سونپنا خودی کے امکانات کو یکسر ناپید کر دینے کے مترادف ہے۔ ان حالات میں اقبال کا فلسفہ ایک طرف تو ناخواندہ معاشرے کے لئے حصول علم کا نصب العین ضروری گردانتا ہے، اور دوسری طرف حصول علم کو کردار کے ذریعے آشکار کرنے کی صلاحیت پر اصرار کرتا ہے۔ لیکن ایک ترقی پذیر معاشرے میں جہاں خواندگی کی شرح بہت کم ہو، اور افراد کی ذہنی سطح اس قدر پست ہو کر وہ خودی کے نظریے کو وصول کرنے کے قابل نہ ہو، وہاں اقبال کا فلسفہ ان سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے جو معاشرے کی قیادت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ معاشرے کی قیادت کے لئے اقبال نے مرد مومن کا آرکی ٹائپ عہد حاضر کی انتھروپولوجی میں شامل کیا ہے۔

مسجد قرطبہ میں بندہ مومن کی توضیح کرتے ہوئے اقبال نے کہا ہے۔

"ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کارکشا' کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندہ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب' اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاک باز
نقطہ پرکار حق' مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام' وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ!!"

مسجد قرطبہ کے حوالے سے بندہ مومن (مرد مومن) کی تشریح کچھ یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس نوع کے انسان میں وہ تمام اوصاف شامل ہیں جو اسلام کے زمانہ عروج میں مسلمان کشور کشاؤں کے کردار کو جاذب نظر بناتے تھے اور یہ کردار اس وقت ظہور کرتا ہے جب افراد کے ذمے کسی تہذیب کی داغ بیل ڈالنا مطلوب ہو۔ بندہ مومن اس اعتبار سے ایک تخلیقی' جمالیاتی اور اخلاقی انسان ہے۔ اور کوئی بھی معاشرہ ایسے انسان کی موجودگی پر فخر کر سکتا ہے۔ پاکستانی معاشرے کا اگر کوئی اعلیٰ ترین نصب العین ممکن ہو سکتا ہے تو وہ اس نوع کی قیادت کو ظہور دینا ہے۔ معاشرے کی قیادت کرنے والوں کے لئے اس نوع کے انسان کو اپنے باطن میں تلاش کرنا ہے اور اسے اپنے کردار میں آباد کرنا ضروری ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کی قیادت کے دعویدار افراد کے لئے یہ اشعار رہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔ ایسی قیادت کے بغیر وہ مسائل بھی حل نہیں کئے جا سکتے جو معاشرے کی نشوونما کے سلسلے میں دشواریاں پیدا کرتے ہیں۔

— ۶ —

پاکستانی معاشرے کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا ہے کہ اس نے روایت سے انحراف کرنے کی غلطی کی ہے اور زندگی کو اس کے عام چلن کے مطابق قبول کیا ہے۔ اس نے مثالیت پسندی کی جگہ حقیقت پسندی کو اپنی ترجیحات میں شامل کیا ہے۔ آئیڈیل ازم کے بجائے رئیل ازم (Realism) کو اپنا راہبر بنایا ہے۔ ایسے انداز نظر نے انسانی فطرت کے گراف کو مسلسل

گرنے سے بچانے کے بجائے اس کو مزید گرنے دیا ہے۔ تاہم یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ پاکستانی معاشرے میں اچھی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔ البتہ جو رویے فروغ پائے ہیں انہوں نے کسی نیک مثال کو معاشرے کے پیش منظر پر ابھرنے نہیں دیا۔

— ۷ —

عہد حاضر میں پاکستانی معاشرہ دو صدیوں کی موجودگی میں اپنے مستقبل کی آمد کا منتظر دکھائی دیتا ہے سن ہجری کی پندرہویں صدی اور عیسوی سن کی اکیسویں صدی کا مستقبل پاکستانی معاشرے سے ایک دوہرا لائحہ عمل چاہتا ہے۔ لیکن اس دوہرے لائحہ عمل کی تہہ میں ایک ہی نصب العین کارفرما ہے اور وہ ہے 'اچھے انسان کی تشکیل' جو نئے علوم اور اپنے تہذیبی ورثے کا نہ صرف امین ہو بلکہ اخلاقی اعتبار سے بے داغ ہو۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے جو ذرائع ضروری ہیں وہ اہل فکر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس نصب العین کے بغیر مستقبل میں کشود خودی ممکن نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آنے والے برسوں میں تخلیقی صلاحیتوں کے کھلنے کی امید پیدا نہیں ہوتی تو یہ صدیاں بھی گزشتہ صدیوں کی طرح کوئی نشان چھوڑے بغیر گزر جائیں گی۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے معاشرے کے دل میں مستقبل کو صورت گری دینے کی چمک برابر موجود دکھائی دیتی ہے۔

All rights reserved. ©2002-2006

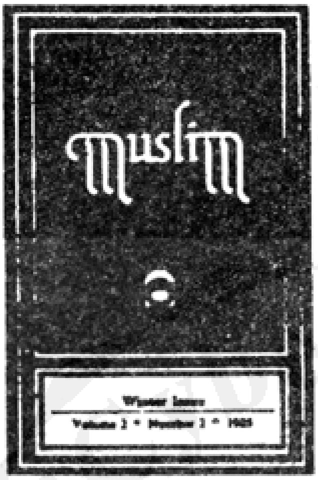

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY is a review of Muslim education in the Modern World both in Muslim majority and in Muslim minority countries.

It is intended as a means of communication for scholars dedicated to the task of making education Islamic in character:

(1) by substituting Islamic concepts for secularist concepts of knowledge at present prevalent in all branches of knowledge,

(2) by getting curricula and text books revised or rewritten accordingly and

(3) by proposing concrete strategies for revising teacher-education including teaching methodology.

It is also expected to act as an open forum for exchange of ideas between such thinkers and others including non-Muslims who hold contrary views.

MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

Published quarterly in Autumn, Winter, Spring and Summer

Editor: Professor Syed Ali Ashraf

- Contains articles on Islamic education, morality, art, culture, etc.
- Critically evaluates educational issues from the Islamic point of view.
- Contains 'Reminiscences' of contemporary Muslim educationalists.
- Publishes surveys of Muslim education in all countries of the world.
- Publishes book reviews.

SEND YOUR SUBSCRIPTION NOW

To: The Secretary, The Islamic Academy

Please enter my subscription for MUSLIM EDUCATION QUARTERLY

I enclose a cheque/P.O. for .... (make cheque payable to The Islamic Academy. The cheque should be in sterling pounds).

Name ....

Address ....

....

Subscription Rates (including postage): Please indicate your preference.

Private Subscribers ☐ £10.50 per annum

☐ £ 2.65 per issue

Institutions ☐ £13.00 per annum

☐ £ 3.50 per issue

THE ISLAMIC ACADEMY

23 Metcalfe Road, Cambridge, CB4 2DB, U.K. Tel. (0223) 350976